# مقالات

## دعوت حق کے مراحل

از جناب مولانا امین احسن صاحب اصلاحی

ہر دعوت حق کو کامیابی کی آخری منزل تک پہنچنے کے لیے بالعموم تین مرحلوں سے گذرنا پڑتا ہے۔

———— دعوت

———— ہجرت

———— جنگ

اس زمانہ میں لوگ زیادہ تر صرف یورپ، امریکہ، روس اور ترکی وغیرہ کے انقلابات سے واقف ہیں اس وجہ سے سمجھتے ہیں کہ جو مرحلے ان انقلابات میں پیش آئے ہیں وہی ہر انقلاب میں پیش آتے ہیں اور جو طریقے ان انقلابات میں آزمائے جا چکے ہیں وہی ہر انقلاب میں کارگر ہو سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک غلط فہمی ہے جس میں لوگ محض اس وجہ سے مبتلا ہیں کہ ان کے سامنے خالص اسلامی طرز کے کسی انقلاب کی تاریخ نہیں ہے ورنہ انھیں معلوم ہوتا کہ حضرات انبیائے کرام یا ان کے طریق پر کام کرنے والوں کی رہنمائی میں جو انقلاب برپا ہوتے ہیں ان کی خصوصیات ان انقلابات کی خصوصیات سے بالکل مختلف ہیں جو مجرد سیاسی طرز کی تحریکات سے برپا ہوتے ہیں۔ اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ہم خالص اسلامی انقلاب کے مختلف مدارج اور اس کے ہر درجہ کی خصوصیات اور تقاضوں پر یہاں بالاجمال گفتگو کریں گے۔

۱۔ پہلا مرحلہ دعوت کا مرحلہ ہے۔ ابتدا میں دعوت کا خطاب جس طبقہ کی طرف ہوتا ہے وہ ارباب اقتدار کا طبقہ ہے لیکن یہ طبقہ اپنی حالت پر بالکل مطمئن اور اپنی دلچسپیوں میں نہایت مگن ہوتا ہے اس وجہ سے شروع شروع میں یہ لوگ دعوت کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے۔ داعی ہر پہلو سے وقت کے نظام فکر، نظام اخلاق اور نظام سیاست

و معاشرت کی غلطیوں کی نشاندہی کر کے اس انجام کو سامنے لاتا ہے جس سے بالآخر اس باطل نظام کو دوچار ہونا ہے لیکن بظاہر یہ گاڑی تیزی سے چل رہی ہوتی ہے اس وجہ سے وقت کے ارباب کار کے لیے یہ باور کرنا مشکل ہوتا ہے کہ اس گاڑی کے دھرے ٹوٹے ہوئے ہیں اور یہ جلد کسی کھڈ میں گر کے رہے گی۔ جب ظاہری حالات سازگار ہوں تو غافلوں کو کسی نظام کی باطنی کمزوریوں سے تنبیہ کرنا کچھ آسان کام نہیں ہے۔ وہ اپنی غفلت و بدمستی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اپنی کمزوریوں اور خرابیوں کی طرف کوئی توجہ نہیں کرتے بلکہ ان کمزوریوں اور خرابیوں کو خوبی اور کمال کا نام دے لیتے ہیں اور ان لوگوں کو احمق اور بے وقوف بناتے ہیں جو ان کو خرابی اور برائی کہتے ہیں۔ یہ لوگ جس فلسفہ پر کاربند ہوتے ہیں وہ فلسفہ سرے سے کسی چیز کے لیے کوئی اخلاقی بنیاد تسلیم ہی نہیں کرتا۔ ان کے نزدیک ساری دنیا یا تو بخت و اتفاق کا ایک کرشمہ ہے یا مجرد طاقت کے محور پر گھوم رہی ہے اس وجہ سے وہ ساری موعظت ان کو لاطائل اور بے معنی معلوم ہوتی ہے جو ایک داعی حق ان کے سامنے پیش کرتا ہے۔ ان کے بام بلند تک اول تو غریب داعی کی آواز پہنچتی ہی نہیں اور اگر پہنچتی ہے تو وہ اس کو ایک صدائے بے ہنگام قرار دے کر بدستور اپنی دلچسپیوں میں منہمک رہتے ہیں۔ نہ انھیں اپنے فکر میں کوئی خرابی نظر آتی نہ اپنے نظام میں کسی خلا کا احساس ہوتا۔ بڑی چیخ پکار کے بعد اگر ان میں سے کوئی اپنے خواب خرگوش سے بیدار ہوتا بھی ہے اور اس کو داعی کی کوئی بات اپیل کرتی بھی ہے تو یا تو کبر و خود پرستی کا نشہ اس کو سچائی کے اقرار سے روک دیتا ہے یا پھر مفاد پرستی اور خود غرضی کی مصلحت غالب آکر اس کو سلا دیتی ہے۔ البتہ اس چیخ پکار سے وہ لوگ ضرور متاثر ہو جاتے ہیں جو سلیم الفطرت ہوتے ہیں اور وقت کے نظام باطل سے یا تو خود بیزار ہوتے ہیں یا کم از کم اس کے ساتھ کوئی مفاد پرستانہ وابستگی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے بڑھتے ہیں۔ یہ زیادہ تر غریب لوگ ہوتے ہیں جو نہ سیادت و قیادت کے پندار میں مبتلا ہوتے ہیں، نہ ان کے سامنے اغراض اور مفاد کی حفاظت کا سوال ہوتا، اور نہ ان کے اندر اپنے وقت کے نظام کی حمایت کے لیے کوئی بیجا عصبیت ہوتی۔ یہ ان اسباب و وسائل سے ایک بڑی حد تک محروم ہوتے ہیں جو فتنے میں ڈالنے والے ہیں اس وجہ سے ان کے دل مردہ نہیں ہونے پاتے بلکہ کچھ رمق باقی ہوتی ہے، اور تھوڑی سی تحریک سے ان کے اندر زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس گروہ میں سے اول اول حق کی طرف وہ لوگ سبقت کرتے ہیں جو جوان عمر اور جوان ہمت ہوتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن میں تصریح ہے کہ ان کی دعوت پر سب سے پہلے ان کی قوم کے کچھ نوجوان ایمان لائے۔ کم و بیش یہی صورت حال آنحضرت صلعم کی دعوت میں بھی پیش آئی۔ آپ کی بعثت کے ابتدائی دور میں جو لوگ ایمان لائے ان میں زیادہ تر نوجوان ہی تھے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نوجوانوں کے خون میں حرارت اور ان کے اخلاق میں قوت ہوتی ہے۔ ان کی حمیت و غیرت کچھ تو طبعاً بیدار ہوتی ہے کچھ آسانی سے بیدار کی جا سکتی ہے۔ یہ مخالفتوں سے بہت کم مرعوب ہوتے ہیں اور مصلحتوں کو بہت کم خاطر میں لاتے ہیں۔ یہ جب کسی بات کا حق ہونا محسوس کر لیتے ہیں تو انھیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اس کے قبول کر لینے کے بعد انھیں جانی و مالی مصائب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ وہ ان ساری باتوں سے بالکل بے پروا ہو کر اس کو قبول کرتے ہیں اور مصائب کی تلخی ان کے جوش کو سرد کرنے کے بجائے اور زیادہ تیز کرتی ہے۔

دعوت کے اس ابتدائی دور میں اہل حق کو جو آزمائشیں پیش آتی ہیں وہ وقت کے ارباب اقتدار کی پیدا کردہ نہیں ہوتیں۔ ارباب اقتدار جیسا کہ ہم نے عرض کیا شروع شروع میں دعوت اور داعی کا سرے سے کوئی نوٹس ہی نہیں لیتے۔ اس ابتدائی دور میں ساری مشکلیں اور مزاحمتیں آدمی کے اپنے قریبی ماحول سے سر اٹھاتی ہیں۔ اس دور میں باپ بیٹے، ماں اور بیٹی، بھائی اور بھائی، چچا اور بھتیجے، ماموں اور بھانجے، بیوی اور شوہر، خادم اور آقا، مالک اور غلام، استاد اور شاگرد کی جنگ برپا ہوتی ہے۔ باپ بیٹوں کو قبول حق سے روکنے کے لیے ساری نرم و گرم تدبیریں استعمال کرتے ہیں۔ ان کو اپنے حقوق اور اپنی دیرینہ توقعات یاد دلاتے ہیں، اپنی مالی مجبوریاں اور بڑھاپے کا حوالہ دیتے ہیں، ان کی اپنی ذمہ داریاں اور فرائض سامنے لاتے ہیں۔ اس راہ کے خطرات و مصائب ایک ایک کر کے گناتے ہیں۔ خاندان کی تباہی کا رونا روتے ہیں، امیدوں کی بربادی کا ماتم کرتے ہیں اور سب سے آخر میں گھر سے نکال دینے اور جائداد سے محروم کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں اور بس چلتا ہے تو ایذا رسانی اور زدو کوب پر اتر آتے ہیں۔ یہ سب کچھ کس لیے؟ اس لیے کہ بیٹے نے اگر کسی حق کے قبول کرنے کا ارادہ کیا ہے تو اس سے باز آجائے اور اگر قبول کر لیا ہے تو اس سے برگشتہ ہو جائے! اسی سے ملتا جلتا رویہ ماں کا بیٹی کے ساتھ، بھائی کا بھائی کے ساتھ، چچا کا بھتیجے کے ساتھ، ماموں کا بھانجے کے ساتھ، بیوی کا شوہر کے ساتھ، آقا کا خادم کے ساتھ، مالک کا غلام کے ساتھ اور استاد کا شاگردوں

کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو جس نوعیت سے جس کے اوپر اقتدار رکھتا ہے اس اقتدار کو حق سے پھیرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور جس کے جس طرح کے بھی نسبی، شرعی، اور اخلاقی حقوق کسی پر ہوتے ہیں ان کی قیمت وہ صرف یہ مانگتا ہے کہ ان کے معاوضہ میں وہ اس کے اختیار کیے ہوئے باطل کو پوجتا رہے اور اس کے حقوق کے احترام میں سب سے بڑے حق والے —— خدا سے بغاوت کرے۔

اس دور کی مشکلات کا بیان، قرآن مجید میں، سورہ عنکبوت میں ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی ان کے حل کے لیے جو اصولی ہدایات درکار ہیں وہ بھی بیان کر دی گئی ہیں۔ ہمارے لیے زیادہ تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ہے اس لیے صرف ضروری اشارات پر قناعت کریں گے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی اصولی بات یہ بیان فرمائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹوں اور سچوں میں امتیاز کرنے کے لیے یہ قانون ٹھہرایا ہے کہ اہل حق مختلف قسم کی شکلوں میں ڈال کر آزمائے جاتے ہیں کہ وہ اپنے دعوے حق میں جھوٹے ہیں یا سچے ہیں اس وجہ سے انھیں آزمائشوں سے آزردہ اور بددل نہیں ہونا چاہیے بلکہ خندہ جبینی سے ان کا مقابلہ کرنا چاہیے اور اس بات کا اطمینان رکھنا چاہیے کہ اس آزمائش کے کورس سے گزرنے کے بعد ہی [illegible] ہوگی:

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۔ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ (عنکبوت - ۱-۳)

الم۔ کیا لوگوں نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی جانچ نہ ہوگی؟ اور ہم نے ان سے پہلے والوں کو جانچا [illegible] معلوم کرے گا ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ان لوگوں کو جو جھوٹے ہیں۔

اس کے بعد مزاحمت کے بارہ میں اصولی ہدایت دی جو والدین کی طرف سے اہل حق کو پیش آتی ہے (اور یہی ہدایت ان تمام حالات پر منطبق ہوگی جہاں قبول حق میں مزاحمت کرنے والے یا اس سے پھیرنے والے والدین ہی کی سی منزلت میں ہوں)۔ فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ

اور ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی ہدایت کی ہے۔ اور اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ تو کسی ایسے کو

مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا (عنکبوت - ۸)

بنا ساجھی ٹھہرائے جس کے بارہ میں تجھے علم نہیں ہے تو تو ان کی بات نہ مان ۔

... خدا کے حقوق چونکہ والدین کے حقوق سے بڑے ہیں اس وجہ سے جہاں تک خدا کی اطاعت کا تعلق ہے اس میں والدین کی کسی وجہ سے کی پروا کرنا جائز نہیں ہے ۔

اس سلسلہ میں والدین اور بزرگوں کی اس جذباتی اپیل کا جواب بھی دیا جو وہ بالعموم نوجوانوں سے کیا کرتے ہیں کہ تم ہمارے مشورہ پر چلتے رہو اگر تم اس کو باطل سمجھتے ہو تو عذاب و ثواب ہم بھگت لیں گے، تم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے :

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطَايَاكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ خَطَايَاهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۔ وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ أَثْقَالِهِمْ وَلَيُسْأَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۔ (عنکبوت - ۱۲-۱۳)

اور کہتے ہیں وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ان لوگوں سے جو ایمان لائے، تم ہمارے طریق پر چلتے رہو اور ہم تمہاری غلطیوں کے ذمہ دار ہیں، حالانکہ وہ ذرا بھی ان کی غلطیوں کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے وہ بالکل جھوٹے ہیں، وہ اپنے بوجھ اٹھائیں گے اور اپنے بوجھ کے ساتھ کچھ اور بوجھ بھی، اور قیامت کے دن ان سے اس بات کی بازپرس ہوگی جو وہ گھڑ رہے ہیں ۔

(۱۰) اصولی ہدایات کے بعد تین اولوالعزم انبیاء —— حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت لوط علیہم السلام —— کی مثالیں پیش کی ہیں جن کے عمل سے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ ایک بندۂ حق کو اپنے قریب ترین اور محبوب ترین رشتہ داروں کی مزاحمت کے مقابل میں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے اور حق کی خاطر رشتہ کی محبت و عصبیت سے کس طرح بے نیاز ہو جانا چاہیے۔ سب سے زیادہ محبوب اور عزیز رشتے تین ہیں۔ بیٹے کا رشتہ، باپ کا رشتہ، بیوی کا رشتہ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے حق کی محبت میں بیٹے جیسی محبوب چیز کے لیے اپنا کلیجہ پتھر کا بنا لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس حق کے لیے باپ جیسی شفیق اور محترم ہستی سے اپنی علیحدگی کا اعلان کیا۔ حضرت لوط علیہ السلام نے اسی حق کی خاطر بیوی جیسی محبوب چیز کو چھوڑا۔ بقیہ سارے رشتے ان تینوں رشتوں کے تابع اور احترام و محبت میں ان سے فروتر ہیں تو جب حق کی خاطر ان پر قینچی

چلا دینے کا حکم ہوا اور بندگان حق نے اس سے دریغ نہیں کیا تو دوسرے رشتوں اور ناتوں کا کیا ذکر!

ان مثالوں کو پیش کرنے کے بعد یہ بات بھی واضح کر دی کہ اگرچہ ان خون اور جسم کے رشتوں کو کاٹ دینا اپنے بھرے گھر کو اپنے ہاتھوں اجاڑنا ہے لیکن جو لوگ حق کی محبت میں یہ بازی کھیلنے کے لیے آمادہ ہو جاتے ہیں اور جی کڑا کر کے کھیل جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اجڑے گھر کو پھر بساتا ہے اور جو کچھ وہ کھوتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ تو اس دنیا میں پاتے ہیں باقی رہیں آخرت کی نعمتیں اور برکتیں تو وہ مزید برآں ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ذکر کرتے ہوئے اس کی برکتوں کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

| | |
|---|---|
| وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ | اور ہم نے اس کو بخشے اسحٰق اور یعقوب اور جاری |
| وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ | کیا اس کی نسل میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ اور بخشا |
| وَاٰتَيْنٰهُ أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي | اس کو اس کا اجر دنیا میں اور آخرت میں وہ نیکوکاروں |
| الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِينَ (عنکبوت - ۲۷) | کے زمرہ میں ہوگا۔ |

سب سے بڑی چیز جو آدمی کو اس کے قریبی ماحول سے لڑنے میں بزدل بناتی ہے وہ اس کی معاشی مشکل ہے۔ حق کی خاطر محبت کے رابطوں کو کاٹ دینا بھی بڑے دل و جگر کا کام ہے لیکن اگر آدمی ہمت کر کے اس گھاٹی کو پار کر لے تو اس کے بعد اس کو اپنے اُس ماحول سے دامن جھاڑ کے اٹھ جانا کچھ آسان نہیں معلوم ہوتا جس کے معاشی وسائل ہی پر اب تک وہ پلا اور بڑھا ہے اور جس کے دائرہ سے باہر کی ساری دنیا اس کے لیے بالکل اجنبی اور بیگانہ ہے۔ اس وسوسہ کو دور کرنے کے لیے قرآن نے اسی سورہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ اللہ کی بندگی کا حق بہرحال ادا ہونا چاہیے اگرچہ اس کے لیے آدمی کو گھر در سب کچھ چھوڑنا پڑے۔ جو لوگ خدا کی بندگی اور اطاعت کے عشق میں بے خانماں ہوں گے خدا کی وسیع زمین ان کے لیے تنگ دامن نہ ثابت ہوگی۔ اگر اس راہ میں ان کو موت آ گئی (اور موت سب کو آنی ہے) تو ان کے لیے خدا کی بہشت کی جاودانی نعمتیں اور برکتیں ہیں اور اگر وہ زندہ رہے تو یہ کیوں سوچیں کہ کیا کھائیں گے؟ زمین کا کون سا جاندار ہے جو اپنی روزی اپنے ساتھ باندھے پھرتا ہے لیکن پھر بھی جہاں وہ جاتا ہے خدا اس کو اس کے حصہ کی روزی پہنچاتا ہے تو انسان تو ان جانداروں کے مقابل میں خدا کی نظر میں بدرجہا زیادہ قیمت رکھتا ہے، آخر وہ اسی کو روزی سے کیوں محروم رکھے گا!

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ
وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ. كُلُّ نَفْسٍ
ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ. ثُمَّ اِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ.
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا. نِعْمَ
اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ. الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى
رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ. وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ
لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا. اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ
وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ
مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ. فَاَنّٰى
يُؤْفَكُوْنَ. اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ
يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ. اِنَّ
اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ. (عنکبوت ۵۶-۶۲)

اے میرے وہ بندو جنھوں نے ایمان قبول کیا میری
زمین بڑی کشادہ ہے تو میری ہی بندگی کرو. ہر جان کو موت
کا مزہ چکھنا ہے، پھر تم کو ہمارے ہی پاس لوٹ کے آنا ہے.
سو جو ایمان لائے اور جنھوں نے بھلے کام کیے ہم ان کو
جنت کے بالاخانوں میں جگہ دیں گے، اس میں ہمیشہ رہیں گے
یہ نیک کام کرنے کا کیا ہی عمدہ صلہ ہے! ان کا جنھوں نے
ثابت قدمی دکھائی اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے رہے!
اور زمین میں کتنے جاندار ہیں جن کو دیکھتے ہو کہ اپنی روزی
باندھے نہیں پھرتے. اللہ ان کو بھی روزی دیتا ہے اور تم کو
بھی روزی دیتا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے.
اور اگر تم ان سے پوچھو کہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین
کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو نفع رسانی میں سرگرم کیا تو
جواب دیں گے اللہ! تو پھر وہ کہاں بھٹک جاتے ہیں.
اللہ روزی کو کشادہ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے اپنے
بندوں میں سے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بیشک

جو لوگ اپنے قریبی ماحول کی جنگ میں مضبوط اور ثابت قدم نکلتے ہیں اور حق کی خاطر اپنے خونی اور رحمی رشتوں کی کوئی پروا نہیں کرتے وہ قدرتی طور پر ان لوگوں کے اندر اپنے دل کی وابستگی تلاش کرتے ہیں جو اگرچہ خون اور نسب میں ان کے ساتھ اشتراک نہیں رکھتے لیکن فکر و عمل میں ان کے ہم خیال ہوتے ہیں اور انہی کی طرح حق کی خاطر اپنے ماحول سے کشمکش میں مشغول ہوتے ہیں. انسان کی ساخت فطری طور پر ایسی ہے کہ وہ تنہا نہیں رہ سکتا اس وجہ سے وہ جب اپنے پچھلے تعلقات کی بساط لپیٹتا ہے تو لازماً نئے تعلقات کو استوار کرنے کی کوشش کرتا ہے. یہ اس کی ایک فطری ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی

زندگی کا صحیح ارتقاء محال ہے اس وجہ سے اہل حق کی جنگ اپنے قریبی ماحول سے جتنی ہی سخت ہوتی جاتی ہے ان کے آپس کے رابطے اتنے ہی مضبوط و محکم ہونا شروع ہوتے ہیں یہاں تک کہ وقت کی سوسائٹی کے اندر یہ ایک مستقل کنبے اور گھرانے کی حیثیت سے ممیز ہونا شروع ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ اس قدر نمایاں ہو جاتے ہیں کہ ان کا وجود بحیثیت ایک جمعیت کے محسوس ہونے لگتا ہے اور وقت کا نظام ان کے اثر سے متاثر ہونا شروع ہوتا ہے۔

جب داعیان حق اس دور میں پہنچتے ہیں تب وقت کے ارباب اقتدار چوکنے ہوتے ہیں اور انھیں محسوس ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کو وہ اب تک صرف چند سرپھرے انسانوں کا وسوسہ اور جنون خیال کرتے رہے ہیں وہ ایک سنجیدہ حقیقت ہے۔ اگر انھوں نے اس کی جلد خبر نہ لی تو اس نظام کی خیر نہیں ہے جس کے علمبردار ہیں اور جس کے دم سے ان کی تمام عزت و عظمت قائم ہے۔ اس خطرہ کو محسوس کر کے وہ دعوت کو دبانے کے لیے کمر باندھتے ہیں اور اندھا دھند ظلم شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ظلم چونکہ ارباب اقتدار کا ظلم ہوتا ہے اس وجہ سے اس میں وہ سب کچھ ہوتا ہے جو انسان انسان کو ستانے کے لیے کر سکتا ہے۔ دنیا کی پچھلی تاریخ میں اہل حق اپنے وقت کے ارباب اقتدار کے ہاتھوں آگ میں بھونے گئے، تلواروں سے قیمہ کیے گئے، آروں سے چیرے گئے، درندوں سے نچوائے گئے، تپتی ہوئی ریت پر لٹائے گئے، قید خانوں میں بند کیے گئے، اپنے وطنوں سے نکالے گئے۔ اب اگرچہ دنیا فکر و خیال کی آزادی کو بطور اصول کے تسلیم کرنے لگی ہے لیکن جہاں تک اس دعوت حق کا تعلق ہے، جو زندگی کے سارے شعبوں کو شیطان کی ماتحتی سے نکال کر خدا کی اطاعت کے نیچے لانا چاہتی ہے، اس کے علمبرداروں کے لیے آج بھی دنیا کی تاریخ بدلی نہیں ہے۔ ان کو ان تمام حالات سے گزرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے جن سے اہل حق کو اس سے پہلے گزرنا پڑا ہے۔

| | |
|---|---|
| اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ | کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں پہنچ جاؤ گے حالانکہ |
| وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ | ابھی تمھارے سامنے اس طرح کے حالات نہیں آئے جس |
| مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا | طرح کے حالات ان لوگوں کو پیش آئے جو تم سے پہلے گزر چکے |
| حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا | ہیں۔ ان کو تنگی اور اذیت کے سانحے احوال سے دوچار ہونا پڑا |

مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۗ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ (بقرہ - ۲۱۴)

اور پوری طرح جھنجھوڑ ڈالے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ سارے لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ اطمینان رکھو کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

یہ دور اہل حق کے لیے اگرچہ نہایت سخت ہوتا ہے لیکن اس میں اگر وہ پامردی دکھا جاتے ہیں اور وقت کے ارباب کار کے سارے مظالم کے باوجود اپنی دعوت اور اپنے مسلک پر ڈٹے رہ جاتے ہیں تو ان کی اخلاقی قوت کی دھاک ان کے مخالفوں کے دلوں میں بھی بیٹھ جاتی ہے اور ان کی جماعت اور ان کے مسلک کے لیے وقت کے فکر اور نظام میں اتنی گنجائش نکل آتی ہے کہ جو لوگ کبھی اس دعوت کا ذکر بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے وہ اس بات کے لیے تگ و دو شروع کر دیتے ہیں کہ کسی طرح کوئی بیچ کی راہ ایسی نکل آئے جس پر دونوں فریق راضی ہو سکیں اور یہ جھگڑا کسی طرح ختم ہو۔ لیکن اصول کے معاملہ میں سمجھوتے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس وجہ سے اہل حق مجبور ہوتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے ارباب اقتدار کے بے تحاشا ظلم کا مقابلہ کیا اسی طرح ان کی اس باطل خواہش کا بھی مقابلہ کریں اور ان پر ثابت کر دیں کہ جس مسلک کے وہ داعی ہیں اس سے انچ برابر بھی وہ ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ یہی دور ہے جس میں اہل حق کے لیے یہ ہدایتیں اتری ہیں۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۗ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ (یونس - ۱۵)

جب ان کو ہماری کھلی ہوئی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو جن کے دلوں میں ہماری ملاقات کی کھٹک نہیں ہے وہ کہتے ہیں اس کے سوا کوئی اور قرآن لاؤ یا کم از کم اس میں کچھ ترمیم کرو۔ کہہ دو مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کروں میں تو صرف اس بات کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر خدا کی طرف سے وحی ہوتی ہے اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن کے

اہل باطل کی اسی خواہش کی جڑ کاٹ دینے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے مسلک حق کی از سر نو وضاحت کرا دی گئی تاکہ سمجھوتہ کی توقع کا مکمل خاتمہ ہو جائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ

اے لوگو، اگر تم کو میرے دین کے بارہ میں کوئی شک ہے

مِنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (یونس - ۱۰۲)

تو میں لوگ میں ان کی بندگی نہیں کرنے کا جن کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو بلکہ میں تو صرف اس اللہ کی بندگی کروں گا جو تم کو موت دیتا ہے اور مجھے یہی حکم ملا ہے کہ میں اہل ایمان میں سے بنوں اور یہ کہ تو اپنے رخ کو یکسو ہو کر دین حق کی طرف پھیرا اور مشرکوں میں سے مت بن۔

اس طرح کی مجھوتے کی دعوتیں بسا اوقات اہل حق میں سے بھی بعض لوگوں کو متاثر کر دیتی ہیں اور وہ بھی کسی غلط فہمی کی وجہ سے مصلحت اسی میں سمجھنے لگتے ہیں کہ نرم گرم کچھ مجھوتہ ہو جائے۔ ان لوگوں کی اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے یہ موعظت اتری:

فَاسْتَقِمْ كَمَا اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ- وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ- وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ- وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (ہود)

جس طرح تجھے حکم ملا ہے اسی طرح ڈٹا رہ۔ اور وہ لوگ بھی جنھوں نے تیرے ساتھ توبہ کی ہے۔ اور راہ حق سے انحراف نہ ہونے پائے۔ بے شک وہ جو کچھ کرتے رہتے ہو اس کو وہ دیکھنے والا ہے اور ان لوگوں کی طرف نہ جھکو جنھوں نے ظلم کیا ہے کہ تمھیں بھی جہنم کی آگ پکڑے اور اللہ کے سوا تمھارے لیے کوئی کارساز نہیں۔ پھر تمھاری کوئی مدد نہیں کی جائے گی۔ اور نماز کو قائم کرو دن کے دونوں حصوں میں اور رات کے کچھ حصے میں۔ بے شک نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ یاد دہانی ہے یاد دہانی حاصل کرنیوالوں کے لیے اور ثابت قدم رہ کہ اللہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

جب اہل حق اس دور سے بھی کامیابی سے گذر جاتے ہیں اور مخالفین کے خوف اور ان کی دعوت مصالحت سے متاثر ہو کر دعوت میں کسی کمی بیشی اور ترمیم و تغیر پر راضی نہیں ہوتے بلکہ اپنی پوری دعوت کو بغیر کسی ترمیم کے پوری بے خوفی کے ساتھ جاری رکھتے ہیں تو ارباب اقتدار حق کو شکست دینے کے لیے ایک نئی چال چلتے ہیں۔ اب وہ کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح دعوت کے لیڈروں کو طمع کے دام میں شکار کریں۔ اس کے لیے

وہ داعیوں کے سامنے وہ سب کچھ پوری فراخدلی کے ساتھ پیش کرتے ہیں جو اس دنیا میں چاہی جا سکتی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ دولت، معزز سے معزز گھرانے میں شادی، عزت و پیشوائی کا منصب ۔ اور اس کا معاوضہ صرف یہ مانگتے ہیں کہ وہ اپنی کسی طرح اس دعوت میں کچھ ترمیم کرنے پر راضی ہو جائے جس نے ان کا چین اور اطمینان غارت کر رکھا ہے۔ یہ خوبصورت بلا پچھلی تمام خوفناک بلاؤں سے بھی اہل حق کے لیے زیادہ سخت ہوتی ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو فتنہ خلق قرآن کے سلسلہ میں خلیفۂ وقت کی طرف سے جب بے تحاشا کوڑے مارے گئے تو انھوں نے ان کوڑوں کی کوئی پروا نہ کی۔ جن کوڑوں کا ذکر کتابوں میں اس طرح آتا ہے کہ اگر اتنے کوڑے کسی ہاتھی کے بھی مارے جاتے تو وہ چیخ اٹھتا ان کوڑوں کی بارش پر امام کی زبان سے اُف بھی نہ نکلا۔ لیکن جب اس کے بعد خلیفۂ وقت نے امام کی عزیمت سے شکست کھا کر پینترا بدلا اور کوڑوں کی جگہ ان پر انعام و اکرام کی بارش شروع کی تو وہ چیخ اٹھے کہ "خدا کی قسم یہ انعام و اکرام مجھ پر کوڑوں سے بھی سخت ہے"۔ دعوت حق کے لیے یہ دور بڑی ہی آزمائش کا دور ہوتا ہے۔ کراہت موت کے فتنہ سے حب دنیا کا فتنہ بدرجہا زیادہ سخت و شدید ہے۔ بڑے بڑے ارباب عزیمت جو لوہے کی زنجیروں کو اپنی ایک ہی جنبش میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں چاندی اور سونے کی زنجیروں کو خود شوق سے زیور کی طرح پہن لیتے ہیں اور پھر کبھی ان سے آزاد ہونے کی ہمت نہیں کرتے۔ خوف کا بھوت جن لوگوں کو مرعوب کرنے سے عاجز رہتا ہے ان کو طمع کا شیطان اس آسانی سے پچھاڑ لیتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلے ہی سے ہمت ہارے بیٹھے تھے۔ اس دور کی آزمائشوں کے لیے دعوت حق کی تاریخ میں بہترین اسوہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ ہے۔ قریش نے سخت سے سخت مصیبتوں میں آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو ڈال کر جب دیکھ لیا کہ یہ اپنی دعوت سے باز آنے والے ہیں اور نہ اس میں کسی ادنیٰ ترمیم پر راضی ہیں تو آپ کے پاس جا کر درخواست کی کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا مال و دولت؟ اگر اس چیز کی خواہش ہے تو ہم اس کی زیادہ سے زیادہ مقدار پیش کرنے کو تیار ہیں۔ کیا کسی معزز گھرانے میں شادی؟ اگر اس کا ارمان ہے تو ہم میں سے ہر ایک اس بات کے لیے بھی تیار ہے کہ آپ کی یہ خواہش بھی پوری کی جائے گی۔ کیا قوم کی افسری اور سرداری؟ اگر آپ اس کا شوق رکھتے ہیں تو ہم یہ جگہ بھی آپ کے لیے خالی کیے دیتے ہیں۔ لیکن خدارا آپ اپنی اس دعوت کو بند کیجیے اور باپ دادا کے دین کو بدلنے کی

کوشش نہ کیجیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ان ساری ترغیبات کے جواب میں ایک حرف بھی نہیں فرمایا بلکہ قرآن شریف کی چند آیتیں ان کو پڑھ کر سنائیں جن میں انہی مقاصد کا نہایت موثر الفاظ میں اعادہ تھا جن کی دعوت کے لیے آپ قریش کے ہاتھوں یہ سب کچھ جھیل رہے تھے۔ قریش آپ کا یہ جواب سن کر آپ سے مایوس ہو گئے۔

اس منزل سے بھی داعیان حق جب بخیریت گذر جاتے ہیں تو ایک طرف تو دعوت حق تبلیغ اور اتمام حجت کی آخری حد کو پہنچ جاتی ہے یہاں تک کہ جن کے اندر کچھ بھی اخلاقی رمق باقی ہوتی ہے وہ یا تو علانیہ حق کا اظہار کر کے اہل حق کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں یا کم از کم دل سے اس حق کا اقرار کر لیتے ہیں اور اس کے اظہار کے لیے کسی سازگار ساعت کا انتظار کرتے ہیں۔ دوسری طرف دعوت کے مخالفین دعوت کو دبانے کی تمام کوششوں سے مایوس ہو کر اس کو یکقلم ختم کر دینے کا آخری فیصلہ کر لیتے ہیں اور تمام نتائج سے بے پروا ہو کر داعی اور دعوت سب کو کچل ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہی وہ موقع ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا فیصلہ کیا گیا، حضرت مسیح علیہ السلام کو سولی پر چڑھانے کی کوشش کی گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قریش کے تمام ارباب حل وعقد نے دار الندوہ میں جمع ہو کر مختلف قسم کی تجویزیں پیش کیں، کسی نے کہا آپ کو پابزنجیر کر کے کسی مکان میں بند کر دیا جائے، کسی نے رائے دی کہ آپ کو ملک سے نکال دیا جائے، بالآخر ابو جہل کی اس تجویز پر سب کا اتفاق ہوا کہ قریش کے ہر خاندان کا ایک ایک آدمی آمادہ ہو اور سب مل کر ایک ساتھ آپ کو تلوار مار دیں تاکہ آل ہاشم آپ کے قتل کا بدلہ نہ لے سکیں۔

جب معاملہ اس حد کو پہنچ جاتا ہے کہ داعیان حق کے لیے اپنی قوم کے اندر اپنی جان کی حفاظت ناممکن ہو جاتی ہے تب دعوت حق برأت اور ہجرت کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے۔

(باقی)

# مسئلہ سُود اور قرآن کریم

(از جناب مولوی سید احمد قادری صاحب مدرس مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ)

انسانوں کو قتل کرنے کے بہت سے آلات ہیں، سود بھی ان میں کا ایک مہلک ترین آلہ ہے۔ ڈاکے ڈالنے کے بہت سے طریقے ہیں، سود بھی ان میں کا ایک ہولناک طریقہ ہے۔ بہت سے زہر ایسے قاتل ہیں کہ ان کا ایک قطرہ بڑے سے بڑے قوی ہیکل انسان کو چشم زدن میں موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے اور اب بہت سے ایسے بھی بنا لیے گئے ہیں کہ ان کے استعمال سے انسان فوراً نہیں مرتا بلکہ مہینوں اور برسوں کے بعد مرتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی موت زہر سے واقع ہوئی ہے۔ سود بھی اسی قسم کا ایک زہر ہے اور لطف یہ ہے کہ یہ قتل، یہ ڈاکا، یہ زہر خورانی حکومتوں کے قانون کے ماتحت اور ان کی سنگینوں کے سایے میں ہو رہی ہے اور اس کی تاریخ دنیا کے دیگر مفاسد کی طرح بہت قدیم ہے۔ آج سے سینکڑوں برس پہلے اسلام نے اس ظلم کو سختی کے ساتھ روکا تھا اور اس شجر خبیث کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا تھا۔ تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کے کروڑوں انسان سود کی لعنت سے محفوظ تھے، کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو سودی کاروبار کے ذریعہ تباہ و برباد نہیں کر سکتا تھا۔ دنیا کے ان تمام خطوں میں جہاں دین اسلام کو ماننے والوں کا پرچم اقبال لہراتا تھا سودی کاروبار کی قانوناً ممانعت تھی اور مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی آپس میں یہ کاروبار نہیں کر سکتے تھے کیونکہ سود ایک ظلم صریح ہے چاہے مسلمان مسلمان سے لے یا کافر کافر سے، اور ظاہر ہے کہ اسلام تمام دنیا سے ظلم کو مٹانے آیا تھا نہ کہ اس کو کسی جگہ روکنے اور کسی جگہ جائز کرنے۔ سود کی حقیقت کیا ہے؟ اس کو ہر سود خوار جانتا ہے خرید و فروخت کی اصطلاح اور معاملات کی زبان میں سود کس کو کہتے ہیں ہر سیٹھ، ساہوکار، اور مہاجن جانتا ہے اور اگر کوئی نہیں جانتا ہے تو اسے سود کی حقیقت جاننے کے لیے فقہی کتابوں کی ورق گردانی کرنے کے بجائے

دنیا کی معاشی تباہی کی تاریخ پڑھنی چاہیے جس کا ایک ایک صفحہ اس لفظ کی ہولناک تشریح کرتا ہے اور اگر گزشتہ تاریخ سے دلچسپی نہ ہو تو اس وقت دنیا کا معاشی بحران ایک مبسوط کتاب کی طرح آنکھوں کے سامنے ہے جس کی سطر سطر میں یہ لفظ اپنی تمام تباہ کاریوں اور خونچکانیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے — ہمیں یہاں سود خواری کی تاریخ اور اس کی تباہ کاریوں پر بحث کرنی نہیں ہے ہمیں تو یہاں یہ سمجھنا ہے کہ دین اسلام نے سود کی ممانعت کس انداز میں کی ہے، آیا اس نے اس کا پھاٹک بالکل بند کر دیا ہے یا کوئی چور دروازہ کھلا بھی چھوڑا ہے؟ آیا اس نے اس کاروبار کے ذریعہ حاصل کی ہوئی دولت کو ہر وقت اور ہر جگہ حرام قرار دیا ہے یا کہیں حلال بھی کیا ہے؟ آیا کسی انسان کو چار روپے قرض دے کر اس سے کچھ دنوں کے بعد آٹھ روپے وصول کرنے کو ہر جگہ سود ہی قرار دیا ہے یا کہیں سود اور کہیں کچھ اور؟ دراصل انہی سوالات کا حل ہمارا مقصود ہے اور ہم سمجھنا چاہتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز ہمارے پاس قرآن کریم ہے۔

قرآن کریم کی ان آیتوں کو جو ربا کے متعلق نازل ہوئی ہیں دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی طرح ربا کی حرمت بھی بتدریج ہوئی ہے اور شارع اسلام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے ربا کا مالاً و مطلقاً حرام قرار دیا گیا ہے۔

**تحریم ربا کی تمہید** ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی:

وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّيَرْبُوَا۟ فِىٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَيْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِيْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ (روم - ۳۹)

اور جو دیتے ہو بیاج پر کہ بڑھتا رہے لوگوں کے مال میں سو وہ نہیں بڑھتا اللہ کے یہاں اور جو دیتے ہو پاک دل سے چاہ کر رضامندی اللہ کی سو یہ وہی ہیں جن کے دونے ہوئے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود کے ذریعہ مال جو بڑھتا نظر آتا ہے وہ حقیقت میں بڑھتا نہیں گھٹتا ہے اور اللہ کی رضامندی کے لیے جو مال بغیر کسی عوض کے خرچ کیا جاتا ہے وہ گھٹتا نظر آتا ہے حالانکہ گھٹتا نہیں بلکہ بڑھتا رہتا ہے اس لیے کہ ترقی و انحطاط اور بڑھاؤ گھٹاؤ کے جانچنے کی اصل کسوٹی اللہ کی

رضامندی ہے جس مال کی زیادتی سے وہ ناخوش ہوتا ہے وہ ہزار بڑھے لیکن انجام کار صاحب مال گھاٹے ہی میں رہے گا اور چاہے دنیا میں وہ صاحب مال قارون ہی کیوں نہ بن جائے لیکن اللہ کے نزدیک اس کی وقعت مچھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگی۔ جس مال کی کمی سے وہ خوش ہوتا ہے وہ ہزار گھٹے لیکن انجام کار صاحب مال نفع ہی میں رہے گا اور چاہے دنیا میں وہ صاحب مال اللہ کی راہ میں اپنی دولت لٹا کر کے بالکل مفلس ہی کیوں نہ ہو گیا ہو اللہ کے نزدیک ہزاروں برلا اور لاکھوں شا ملاک اس کی جوتیوں کی خاک برابر بھی نہ ہوں گے۔ یہ آیت مسلمانوں کے لیے ایک تمہید و تنبیہ تھی اس بات کے لیے کہ آئندہ ربا کے متعلق اللہ تعالیٰ کیا رویہ اختیار کرنے والا ہے۔

مدینہ منورہ میں مسلمانوں کو جماعتی زندگی میسر ہوئی اور کچھ سکون ملا۔ مدینہ اور اس کے آس پاس اوس و خزرج کے علاوہ یہودیوں کے بھی متعدد مضبوط اور مالدار قبیلے آباد تھے اور نہایت ہولناک قسم کے سود خوار تھے اور انھوں نے اپنی دینی ممانعت کے باوجود اوس و خزرج سے بلکہ ہر غیر اسرائیلی[۱] سے سود لینے کو جائز بنا لیا تھا اور ان قبیلوں کا بند بند یہودیوں کے سودی کاروبار کے جال میں کسا ہوا تھا اور سود در سود کا انتہائی ظالمانہ جال ہر طرف بچھا ہوا تھا۔ غزوۂ احد کے بعد سود کی حرمت بایں الفاظ نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (آل عمران: ۱۳۰)

اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دگنا چوگنا کر کے اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

اس آیت نے مسلمانوں پر سود در سود کا دروازہ بند کر دیا اور ان کے لیے حرام ہو گیا کہ سود در سود کا کوئی معاملہ کریں۔ عہد تنزیل میں بھی سود در سود کی یہی صورت تھی جو آج ہندوستان کے بنیے، سیٹھ اور مہاجن کرتے ہیں مثلاً کچھ مدت کے لیے سو روپے دیے اور ادا نہ ہونے کی صورت میں ماہ بماہ سال بسال سود در سود بڑھاتے گئے یہاں تک کہ اسی سو روپے میں مدیون کی ہزاروں روپے کی جائداد کے مالک

---

[۱] قرآن نے متعدد آیتوں میں یہودیوں کی سود خواری کا ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں نے عام ممانعت کے باوجود محض اپنی عقلی قیاس آرائی سے اپنے قبائل کے علاوہ غیر اسرائیلیوں سے سود لینا جائز بنا لیا تھا۔

بن گئے۔ ابن جریر اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

وكان اكلهم ذلك في جاهليتهم ان الرجل منهم كان يكون له على الرجل مال الى اجل فاذا حل الاجل طلبه من صاحبه فيقول له الذي عليه المال اخّر عني دينك وازيدك على مالك فيفعلان ذلك فذلك هو الربا اضعافاً مضاعفة فنهاهم الله عز وجل في اسلامهم عنه

جاہلیت میں ان کے سود در سود کھانے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی شخص پر مقررہ مدت تک کا کوئی دین ہوتا، جب مدت پوری ہو جاتی تو وہ مدیون سے طلب کرتا۔ مدیون کہتا کہ قرض کے ادا کرنے کی مدت بڑھا دو ہم تمہارے اصل مال میں اضافہ کر دیتے ہیں، اس طرح یہ معاملہ دونوں میں طے ہو جاتا۔ پس یہی سود در سود ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسلام میں اس سے روک دیا۔

جاہلیت کے سود کا معاملہ ایک دفعہ پر ختم نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر سال بڑھتا جاتا تھا اور اس کے بڑھنے کی کوئی حد نہ تھی:

كان الرجل منهم اذا بلغ الدين محله زاد في الاجل وهكذا امره بعد اخرى حتى استغرق بالشيء الطفيف مال المديون

ان میں کا کوئی قرض خواہ جب اس کے قرض کے ادا ہونے کا وقت آ جاتا تو وہ مدت بڑھا دیتا اور اسی طرح بدفعات بڑھتا جاتا یہاں تک کہ تھوڑی چیز کے بدلے میں مدیون کے پورے مال پر قبضہ کر لیتا۔

اس آیت کے نزول کے بعد وہ تمام مسلمان جن کو اس آیت کی خبر مل گئی سود در سود کے کاروبار سے رک گئے۔ اس رکاوٹ و ممانعت سے یہود اور کفار کو سخت نقصان پہنچا کیونکہ اب وہ مسلمانوں کو سود کے جال میں کس نہیں سکتے تھے اس لیے انھوں نے کہنا شروع کیا کہ بیع و ربا میں فرق ہی کیا ہے، یہ عجیب بات ہے کہ بیع کو تو جائز قرار دیا جائے اور سود کو حرام کیا جائے کیونکہ زیادتی دونوں میں ہوتی ہے۔ دو روپے کی چیز چار روپے میں بیچنا جائز ہو اور دو روپے کے بدلے میں چار روپے لینا ناجائز ہو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ غرض وہ لوگ جھنجھلا جھنجھلا کر اسی قسم کی ہفوات بکنے لگے یہاں تک کہ سنہ ۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا جواب دیتے ہوئے سود کو بالکل حرام کر دیا اور حرمت ربا کی آیت مطلق نازل فر

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا (بقرہ - ۲۷۵)

جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیے ہوں جن نے لپٹ کر یہ حالت ان کی اس واسطے ہوئی کہ انھوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں سود خواروں کے دنیوی و اخروی حال کا پورا پورا نقشہ کھینچا ہے اور یہود و مشرکین کے قول کو رد کرتے ہوئے قیامت تک کے لیے تمام بنی نوع انسان کے لیے بیع کو حلال اور ربا کو حرام کر دیا ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد کسی مسلمان کے لیے جائز نہ رہا کہ کسی سے سود لے اور کسی کو سود دے۔ اب سوال ان سودی رقموں کا باقی تھا جو وصول ہو کر لوگوں کے قبضہ میں آچکی تھیں یا قرض داروں کے ذمہ باقی تھیں اس لیے ان کے متعلق الگ احکامات نازل ہوئے۔ سودی رقم جو قبضے میں آچکی تھی اس کے متعلق یہ آیت اتری:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۭ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (بقرہ - ۲۷۵)

پس جس کے پاس اس کے رب کی ممانعت آئی اور وہ رک رہا تو اس کے لیے ہے جو اس نے پہلے کیا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جس نے پھر کیا تو وہ جہنم والے ہیں۔ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یعنی جس شخص تک تحریم ربا کا حکم پہنچ گیا ہے اور اس نے یہ حکم معلوم کرتے ہی بلا تردد اور بغیر کسی تاخیر وتراخی کے سودی کاروبار ترک کر دیا تو وہ اس رقم کا جس پر قبضہ کر چکا ہے مالک ہو گیا اس کو اس رقم کو مدیون تک لوٹانے کی تکلیف نہیں دی گئی لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ سودی رقم اس کے لیے حلال و طیب ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کر دیا ہے بلکہ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے وہ چاہے تو معاف بھی کر سکتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے۔ یہ تو اس شخص کے لیے ہے جو تحریم کے بعد سود خواری سے رک گیا لیکن وہ شخص جو اس تحریم کے بعد بھی باز نہ آیا اور اس نے پھر سود لیا تو وہ دوزخیوں میں سے ہے اور مدت دراز تک اس کو

اس کی سزا کتنی سخت ہوگی۔

لوگوں کے یہاں جو سودی رقمیں باقی تھیں یا جو راس المال باقی تھا اس کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔ فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ (بقرہ ۔ ۲۷۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو، اگر تم مومن ہو۔ پس اگر تم نہ کرو گے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کرو گے تو تمہارے لیے تمہارا راس المال ہے نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

یہ آیتیں فتح مکہ کے بعد نازل ہوئیں اور انھوں نے سود خواری کے تمام دروازے بند کر دیے اور کہیں کوئی رخنہ کھلا نہیں چھوڑا جس زور و شور اور سختی کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اس ملعون کاروبار کو حرام کیا ہے وہ قرآن کریم کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ حرب کا لفظ پورے قرآن میں چھ جگہ استعمال ہوا ہے ان میں سے ایک یہی حالت ربا کا موقع ہے۔ اس آیت کے نزول کے بعد سودی کاروبار اسلامی حکومت کے دائرے میں بدترین جرم بن گیا اور مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم کے لیے بھی جائز نہ رہا کہ یہ کاروبار کر سکے۔ قبائل سے صلح کے موقع پر ایک دفعہ یہ بھی بڑھا دی گئی کہ ان کو سودی کاروبار نہیں کرنا ہوگا، ورنہ معاہدہ صلح ٹوٹ جائے گا اور تمام سود خوار قبائل کو آگاہ کر دیا گیا کہ اگر وہ اس لین دین سے باز نہ آئے تو ان کے خلاف جنگ کی جائے گی۔

عن ابن جريج قال كانت ثقيف قد صالحت النبي صلى الله عليه وسلم على ان ما لهم من ربا على الناس وما كان للناس عليهم فهو موضوع فلما كان الفتح استعمل عتاب بن اسيد على مكة وكانت بنو عمرو بن عمير بن عوف يأخذون الربوا من المغيرة وكانت بنو المغيرة يربون لهم

ابن جریج سے مروی ہے انھوں نے کہا کہ قبیلہ ثقیف نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات پر صلح کی تھی کہ ان کا سود جو لوگوں کے ذمہ باقی ہے اور لوگوں کا سود جو ان کے ذمہ باقی ہے وہ سب باطل ہے جب مکہ فتح ہوا تو عتاب بن اسید اس کے والی بنائے گئے اور بنو عمرو بنو مغیرہ سے سود لیا کرتے تھے اور بنو مغیرہ جاہلیت میں ان کو سود دیا کرتے تھے یہاں تک کہ اسلام آیا اس حال میں کہ بنو عمرو کی بڑی رقم بنو مغیرہ کے

فی الجاهلیة فجاء الاسلام ولهم علیهم
مال کبیر فاتاهم بنو عمرو یطلبون رباهم
فابا بنو المغیرة ان یعطوهم فی الاسلام
ورفعوا ذلك الی عتاب بن اسید فکتب
عتاب الی رسول الله صلی الله علیه وسلم
فنزلت یا ایها الذین امنوا اتقوا الله
وذروا ما بقی من الربا ان کنتم مومنین
الی ولا تظلمون فکتب بها رسول الله
صلی الله علیه وسلم الی عتاب وقال
ان رضوا والا فاذنهم بحرب (تفسیر ابن جریر ج)

ذمہ باقی تھی بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے اپنے سود کا مطالبہ
کیا انھوں نے اسلام کے بعد سود دینے سے انکار کیا
اور والی مکہ کے یہاں مقدمہ دائر کیا حضرت عتاب
نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا اس کے بعد
یا ایہا الذین آمنوا الخ کی آیتیں نازل
ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتاب
کو لکھا اگر بنو عمرو راضی ہو جائیں تو خیر ورنہ ان سے
اعلان جنگ کر دو۔ ..........
..........
..........

آیت کی اس شان نزول کے علاوہ ابن جریر اور دیگر مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیتیں حضرت عباس اور ان کے ایک شریک کی شان میں نازل ہوئیں جو اسلام سے پہلے سودی کاروبار کرتے تھے اور ان کی سودی رقمیں لوگوں کے ذمہ باقی تھیں۔ فتح مکہ کے بعد ان لوگوں نے اس کا مطالبہ شروع کیا تو یہ آیتیں نازل ہوئیں اور حضرت عباس نے نہ صرف یہ کہ سودی رقم معاف کر دی بلکہ راس المال بھی صدقہ کر دیا۔ غرض یہ کہ ان آیتوں نے اس لین دین کا قصہ بالکل چکا دیا اور اس کو بہر نوع وبہر طور محرم ابدی قرار دیدیا۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے اس آیت سے جو مسئلہ سمجھا ہے اس کا ذکر بھی بیان مناسب ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"مسئلہ جو احقر نے اس آیت سے سمجھا ہے، دار الحرب میں حربی سے سود لینا حرام ہے کیونکہ یہ بقایا زمانہ جاہلیت کا تھا جبکہ مکہ دار الحرب تھا اگر یہ معاملہ حلال ہوتا تو حلال معاملہ سے جو حق واجب ہو اس کا مطالبہ ہر حال میں درست ہے گو مطالبہ کے وقت وہ معاملہ ناجائز ہو مثلاً ایک نصرانی

نے دوسرے نصرانی سے ایک روپیہ کی شراب خریدی ان کے لیے معاملہ حلال تھا پھر دونوں مسلمان ہوگئے باوجودیکہ اب ایسی بیع و شرا درست نہیں مگر پچھلا روپیہ وصول کرنا درست ہے پس جب ربا میں پچھلا بقایا لینے کی اجازت نہ ہوئی، معلوم ہوا کہ اس وقت بھی حلال نہ تھا پھر حربی حربی میں درست نہ ہوا تو مسلم اور حربی میں کیسے درست ہوگا۔ رہا لیا ہوا واپس نہ لینا یہ تخفیف تھی بعذر عدم علم تحریم کے۔ واسطے دفع حرج کثیر اور فقہی روایت جو اس کے متعلق مشہور ہے احقر کے نزدیک اس کی خاص تفسیر ہے۔" (بیان القرآن)

**بلحاظ نزول، قرآن کی آخری آیت**

قرآن کریم کی وہ آیت کونسی ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئی؟ اس سوال کے جواب میں معمولی اختلاف سے قطع نظر تقریباً باتفاق ثابت ہے کہ احکام کے سلسلے کی سب سے آخری آیت، آیت ربا ہے۔ سید محمد رشید رضا مصریؒ لکھتے ہیں:

"بخاری نے حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت کی ہے کہ آخری آیت جو نازل ہوئی وہ آیت ربا ہے۔ بیہقی نے حضرت عمرؓ سے اسی کے مثل روایت کی ہے۔ اتقان میں ہے کہ اس سے مراد آیت يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا ہے۔ امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ سب سے آخر میں آیت ربا نازل ہوئی۔ ابن مردویہ نے بطریق سعید بن جبیر اور ابن جریر نے بطریق عوفی و ضحاک ابن عباس سے ایسی ہی روایت کی ہے۔ اس آیت کے نزول اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میں کل ۸۱ دن کا فرق ہے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر سے روایت کی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ نو شب زندہ رہے اور اسی کے مثل ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے ابو عبیدہ نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ آخری آیت، آیت ربا اور آیت دین ہے۔ سیوطی نے اس کے بعد لکھا ہے کہ میرے نزدیک ان روایات (یعنی آیت ربا و آیت دین و آیت واتقوا) میں کوئی منافات نہیں ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ یہ تمام آیتیں بیک وقت نازل ہوئیں جیسا کہ مصحف میں ان کی ترتیب ہے اور یہ بات اس لیے بھی ظاہر ہے کہ یہ تمام آیتیں ایک ہی قصہ میں نازل ہوئیں پس مختلف لوگوں نے ان میں سے بعض

کے متعلق کہہ دیا کہ یہ آخری آیت ہے اور یہ صحیح ہے۔ (تفسیر شیخ محمد عبدہ، ج ۳)

**ربا النسیئہ و ربا التفاضل**

یہاں اس چیز کو سمجھ لینا بھی اشد ضروری ہے کہ قرآن کریم نے جس سود کو اتنی سختی کے ساتھ حرام قرار دیا ہے وہ سود کیا ہے اور اس کی کیا صورت تھی۔ ظاہر ہے کہ قرآن کریم نے اسی سودی کاروبار کو حرام قرار دیا ہے جو نزول آیت تحریم کے وقت تمام عرب میں پھیلا ہوا تھا اور جس کو زبان رسالت نے ربا الجاہلیہ کہا ہے۔ جاہلیت کا سود کیا تھا؟ اس کے متعلق ابن جریر کی ایک روایت پہلے گزر چکی ہے اب یہاں مزید تفصیل کی جاتی ہے۔

وذلك ان الذين كانوا ياكلون الربا من اهل الجاهلية كان اذا حل مال احدهم على غريمه يقول الغريم لغريمه الحق زدني في الاجل وانا ازيدك في مالك۔ (تفسیر ابن جریر)

اہل جاہلیت میں سے جو لوگ سود خوار تھے جب ان میں سے کسی کے مال کی وصولی کا وقت آتا تھا تو قرضدار قرض خواہ سے کہتا تھا تو میرے لیے وصولی کی مدت بڑھا دے میں تیرے مال میں اضافہ کر دیتا ہوں۔ ..................

انما كان الربا في الجاهلية في التضعيف وفي السن يكون للرجل فضل دين فياتيه اذا حل الاجل فيقول له تقضيني او تزيدني فان كان عنده شيء يقضيه قضى والا حوله الى السن التي فوق ذلك ان كانت ابنة مخاض يجعلها ابنة لبون في السنة الثانية ثم حقة ثم جذعة ثم رباعيا ثم هكذا الى فوق وفي العين ياتيه فان لم يكن عنده اضعفه في العام القابل فان لم يكن عنده اضعفه

جاہلیت میں سودی کاروبار مال میں زیادتی اور جانوروں کے سن میں زیادتی کی صورت میں کیا جاتا تھا ان میں کا کوئی قرض خواہ مدیون کے پاس مدت پوری ہونے پر آتا قرض ادا کرتے ہو یا مال میں اضافہ کرتے ہو اگر اس کے پاس ادا کرنے کو کچھ ہوتا تو ادا کرتا ورنہ جانور کا سن بڑھا دیتا مثلاً اگر بنت مخاض باقی ہو تو دوسرے سال اس کو بنت لبون کر دیتا پھر حقہ پھر جذعہ پھر رباعی اور اسی طرح ــ اگر قرض رقم کی صورت میں ہوتا تو ہر سال نہ ادا کرنے کی صورت میں وہ رقم بڑھتی جاتی ــ سو کی رقم دو سو اور دو سو کی رقم چار سو ہر سال وہ رقم بڑھتی جاتی یا ادا کرتا۔ ..........

ایضاً فتکون بالتہ فیجعلہا الی قابل ثمانین ...............
فان لم یکن عندہ جعلہ اربعمائیۃ یضعفہا له ...............
کل سنۃ او یقضیہ (تفسیر ابن جریر ج ۳) ...............

ابن جریر نے جاہلیت کے سود کے متعلق یہ بیان ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس روایت سے واضح ہوا کہ جاہلیت میں سود کا معاملہ قرض کے مال پر، چاہے وہ رقم ہو یا جانور، اضافے کی صورت میں کیا جاتا تھا قرض کی صورت کے علاوہ اس وقت عرب کسی اور طرح کے سود سے واقف تھے لہذا معلوم ہوا کہ قرآن نے اسی ربا جاہلیت یعنی ربا نسیئہ کو حرام کیا ہے۔

وسئل الامام احمد عن الربا
الذی لا یشک فیہ فقال ھو ان یکون له
دین فیقول له اتقضی ام تربی فان لم یقضہ
زادہ فی المال وزادہ ھذا فی الاجل
(تفسیر شیخ محمد عبدہ، ج ۳)

امام احمد سے ایسے سود کے بارے میں پوچھا گیا جس
میں شک نہ ہو تو انھوں نے جواب دیا، یہ صورت کہ
قرض خواہ مدیون سے کہتا، تو قرض ادا کرتا ہے یا بڑھاتا
ہے اگر وہ ادا نہ کرتا تو قرض دار مال میں زیادتی کر دیتا
اور قرض خواہ مدت ادا میں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے اس جواب سے بھی معلوم ہوا کہ غیر مشترک اور یقینی سود ربا نسیئہ ہی ہے۔

والربا الذی کانت العرب تعرفہ
وتفعلہ انما کان قرض الدراھم و
الدنانیر الی اجل بزیادۃ علی مقدار
ما استقرض علی ما یتراضون بہ ولم یکونوا
یعرفون البیع بالنقد واذا کان متفاضلا
من جنس واحد ھذا کان المتعارف
المشہور عندھم (احکام القرآن جصاص ج ۱) ...............

وہ سود جسے عرب جانتے اور کرتے تھے درہم و دینار کا
قرض ہوتا تھا ایک مقررہ مدت کے لیے قرض کی مقدار
پر اضافہ کر کے، طرفین جتنے پر راضی ہو جائیں۔ عرب بیع
نقد سے واقف نہ تھے اس طرح کہ وہ جنس واحد
سے ہو اور متفاضل ہو، یہی ان کے نزدیک مشہور
و متعارف تھا ...............

ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ کی اس عبارت سے بھی واضح ہوا کہ ربا جاہلیت کیا ہے اور عرب